© rasailojaraid.com

چند روز جاپان میں

مذہب اور امن پر دوسری عالمی کانفرنس

(۱)

سعید احمد اکبر آبادی

گذشتہ ماہ اکتوبر میں جاپان کے مشہور شہر کیوٹو میں ایک نہایت عظیم الشان عالمی کانفرنس مذہب اور امن پر منعقد ہوئی تھی۔ اس میں میری شرکت کی تقریب یہ ہوئی کہ غالباً فروری سنہ ۷۰ء میں محب محترم و مکرم جناب خواجہ غلام السیدین صاحب جو ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے کانفرنس کی مجلس عاملہ کے ایک باوقار اور بااثر ممبر ہیں انھوں نے مجھ کو لکھا کہ اس مرتبہ کانفرنس اکتوبر میں جاپان میں ہو رہی ہے اور وہ ہندوستان کے مندوبین میں میرے نام کو بھی شامل کرنے کی سفارش کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواب میں جناب موصوف کا شکریہ ادا کیا۔ اور لکھا کہ بہت اچھا۔ اگر مجھ کو دعوت ملی تو میں منظور کر لوں گا۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد کانفرنس کے صدر اور کانفرنس کی ہندوستانی شاخ کے صدر ڈاکٹر رادھا کرشن کی طرف سے باقاعدہ دعوت نامہ بھی آ گیا۔ لیکن اس میں لکھا تھا کہ چونکہ کانفرنس میں کم و بیش تین سو بیرونی نمائندوں کی شرکت متوقع ہے اس بنا پر کانفرنس صرف ایک طرف کا ہوائی جہاز کا کرایہ دے سکے گی۔ دوسری طرف کا کرایہ خود دینا ہو گا یا کسی اور ادارہ سے اس کا انتظام کرنا ہو گا۔ میں نے یہ دعوت قبول کر لی لیکن ساتھ ہی تحریر کیا کہ دوسری طرف کا کرایہ نہ میں خود دے سکتا ہوں اور نہ میں کسی ادارہ سے اس کی درخواست کر سکتا ہوں۔ اس لئے اگر کانفرنس ہی میرے آمد و رفت کے کرایہ کا انتظام کر سکتی ہے تو خیر! ورنہ میری طرف سے معذرت! اس کے جواب میں ڈاکٹر رادھا کرشن نے جو گاندھی پیس فاؤنڈیشن نئی دہلی کے سکریٹری بھی ہیں لکھا کہ ہم اپنے ہاں مجلس عاملہ کی میٹنگ میں اس پر غور کریں گے اور جو فیصلہ ہو گا آپ کو اس سے مطلع کر دیں گے۔ اس کے بعد اس "فیصلہ" کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو کوئی اطلاع ملی نہیں۔ البتہ ہندوستان سے ڈیلی گیشن کے جانے کے سلسلہ میں جو تیاریاں ہو رہی تھیں ان سے مجھ کو برابر باخبر رکھا گیا۔ اسی اثنا میں خواجہ غلام السیدین صاحب کناڈا اور یورپ کے ایک طویل دورے پر ہندوستان سے باہر چلے گئے تھے۔ جب وہ واپس آ گئے تو میں نے غالباً اگست میں ان کو لکھا کہ "کانفرنس کے انعقاد میں صرف دو مہینے باقی رہ گئے ہیں اور مجھے اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ میں جا سکوں گا یا نہیں۔ اور یہ میں اس غرض سے پوچھتا ہوں کہ اگر جانا ہو تو میں مقالہ لکھوں" موصوف نے حسب عادت فوراً جواب دیا اور لکھا: کانفرنس تو پورا کرایہ دینے سے معذور ہے۔ البتہ میں آپ کی یونیورسٹی کے وائس چانسلر (ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب) کو لکھ رہا ہوں کہ وہ یونیورسٹی کی طرف سے آپ کے لئے نصف یعنی ایک طرف کے کرایہ کا انتظام کر دیں۔ رہا مقالہ تو آپ کو وہاں مقالہ نہیں پڑھنا ہے۔ بلکہ صرف بحث مباحثہ میں حصہ لینا ہے۔

اس خط کے بعد میں مطمئن ہو کر بیٹھ گیا کہ مقالہ لکھنا تو ہے نہیں۔ اب جانا ہوا تو فبہا اور نہ جانا ہوا تو کیا غم! السیدین صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ "بس اس معاملہ میں خود بھی وائس چانسلر صاحب سے گفتگو کر لوں" لیکن افسوس ہے میں اس کی تعمیل نہیں کر سکا۔ کیوں کہ گفتگو کے معنی درخواست کے تھے اور اللہ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے حبیب پاک کے صدقے میں مجھ کو اس ننگ سے محفوظ رکھا ہے۔ [1]

نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں　　کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھکو

---

[1] والد مرحوم کا یہ فقرہ اکثر یاد آتا ہے۔ بچپن میں کس محبت و شفقت سے فرمایا کرتے تھے: میری یہ تمنا دل کی دل ہی میں رہ گئی کہ بیٹا سعید کبھی تو مجھ سے کسی چیز کی فرمائش کرتا۔ اور میں اس کے جواب میں کہتا کہ: "ابا! جب آپ خود ہی میری ہر بات کا خیال رکھتے ہیں تو میں فرمائش کیوں کروں" تو فرماتے "اگر یہی اعتماد اور بھروسہ خدا پر پیدا کر کے تم نے اس اصول کو اپنا لیا تو زندگی میں کبھی نامراد نہیں رہوگے۔ اور اس کے بعد یہ شعر پڑھتے۔

کارساز ما بساز کار ما　　فکر ما در کار ما آزار ما

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وائس چانسلر صاحب سے یونیورسٹی کے معاملات میں اور یوں بھی آئے دن ملاقات اور گفتگو رہتی تھی لیکن اس چیز کا کبھی ذکر بھی نہیں آیا اور نہ میں نے خواجہ صاحب کو ہی لکھا کہ وہ ایک اور خط یاد دہانی کا لکھ دیں۔ آخر ہوتے ہوتے اکتوبر کے مہینہ کا پہلا ہفتہ گذر گیا اور کانفرنس ۱۶ر سے شروع تھی اور ڈیلی گیشن ۱۳ر کو نئی دہلی سے روانہ ہو رہا تھا۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ اب جاپان جانے کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ میں صبر کر کے بیٹھ گیا۔ لیکن عجب اتفاق دیکھئے۔ ۱۰ر اکتوبر کو اچانک وائس چانسلر صاحب نے مجھ کو یاد فرمایا اور بولے: کافی دن ہوئے خواجہ غلام السیدین صاحب کا خط آپ کے سفر جاپان کے بارہ میں آیا تھا۔ یہ خط میری نظر سے ضرور گذرا تھا لیکن مصروفیتوں کے باعث اس پر کارروائی کرنا یاد نہیں رہا۔ پرسوں دہلی میں خواجہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے یاد دہانی کی اور اب ان کا پھر ٹیلی فون بھی آیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا: میں نے معلوم کرلیا ہے۔ جاپان کا ایک طرف کا کرایہ تین ہزار روپے کے لگ بھگ ہے۔ یونیورسٹی آپ کو یہ روپے دے گی۔ آپ تیاری کرلیں۔

جن لوگوں کو ہوائی جہاز سے سفر کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ ہوائی جہاز سے دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے تو ہو جاتی ہے۔ لیکن روانگی سے پہلے جن ضروری چیزوں کی تکمیل درکار ہے اسکے لئے کم از کم ایک ہفتہ چاہئے۔ اور یہاں لے دے کے صرف دو روز باقی تھے اور وہ بھی اس طرح کہ اگلا دن یعنی ۱۱ر اکتوبر اتوار کا تھا جب کہ دفاتر بند ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے وائس چانسلر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا: "وقت بہت کم ہے بہر حال قسمت آزمائی کرتا ہوں" دوسرے روز صبح کی ٹرین سے دہلی کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں بارہ بجے کے قریب دفتر "برہان" میں پہنچ کر ڈاکٹر رشید الدھا لم کو فون کیا۔ حسن اتفاق سے اتوار ہونے کے باوجود آج اس وقت بھی وہ دفتر میں موجود تھے۔ گفتگو ہوئی تو میں نے صورت حال بیان کی۔ انھوں نے کہا آپ پریشان نہ ہوں ساڑھے تین بجے میرے دفتر میں آجایئے سب کام مکمل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ٹھیک وقت پر میں گاندھی میں فاؤنڈیشن کے دفتر میں پہنچا تو وہاں ٹریولنگ ایجنٹ موجود تھے۔ انٹرنیشنل پاسپورٹ میرے پاس تھا ہی۔ انھوں نے فوراً چند فارموں اور کاغذات پر میرے دستخط لئے اور ان کی خانہ پری خود کر دی۔ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شام کی ٹرین سے علی گڈھ واپس آکر دوسرے دن صبح کے وقت وائس چانسلر صاحب سے ملا۔ اور ان کو روئداد سنائی تو خوش ہوئے اور فوراً ٹریژرر کو لکھا کہ کرایہ کی رقم کا چک ٹریول ایجنٹ کے نام لکھ کر میرے حوالہ کر دیا جائے۔ ہم یونیورسٹی کے لوگوں کو پی فارم یونیورسٹی کی طرف سے NO OBJECTION CARTIFICAT کے بغیر نہیں مل سکتا۔ اس لئے اسسٹنٹ رجسٹرار صاحب سے مل کر یہ سرٹیفیکیٹ حاصل کیا۔ بارہ بجے کے قریب ٹریول ایجنٹ کا ایک کارندہ کار کے ذریعہ دہلی سے علی گڈھ پہنچا اور مجھ سے چک اور سرٹیفیکیٹ لے کر چلا گیا تاکہ پی فارم حاصل کرنے کے بعد ٹکٹ خریدا کیا جاسکے۔ یہاں یہ تفصیل اس جذبۂ تشکر کے اظہار کے لئے سنائی ہے جو اس معاملہ میں میرے دل میں جناب خواجہ غلام السیدین صاحب اور وائس چانسلر صاحب کے لئے ہے۔ لیکن ناسپاسی ہوگی اگر اس سلسلہ میں اپنے ایک اور محسن کا ذکر نہ کروں۔ ڈاکٹر ابوالنصر معزالدین صاحب جو پہلے یونیورسٹی کے چیف میڈیکل آفیسر تھے اور اب اس عہدہ سے سبکدوش ہوکر ہیلتھ آفیسر ہیں میرے دیرینہ کرم فرما اور بے تکلف دوست ہیں۔ میں جب وائس چانسلر صاحب سے بات کر کے ان کی کوٹھی سے نکل رہا تھا تو ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملاقات ہوگئی اور جب انھیں معلوم ہوا کہ میں جاپان جا رہا ہوں تو انھوں نے اپنے خاص انداز میں فرمایا: ہیں یہ کیا! آپ میری اجازت کے بغیر کیسے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے یہ کہا اور مجھے اپنے ساتھ کار میں لے کر اپنے مکان پر آئے اور یہاں بڑی تفصیل کے ساتھ میرا ڈاکٹری معائنہ کیا۔ بلڈ پریشر دیکھا۔ قلب کی کیفیت دیکھی۔ سینہ اور نبض کی حالت ملاحظہ کی اور پھر فرمایا: الحمدللہ آپ بالکل فٹ ہیں۔ اب اطمینان سے جاسکتے ہیں اور ساتھ ہی بے خوابی گھبراہٹ۔ تھکن اور کمزوری اور معدوی شکایات کے لئے کچھ دوائیں تجویز کیں اور وقت ضرورت ان کے استعمال کی ہدایت کی۔ یہ معمولی سا واقعہ ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس بے ساختہ کرم گستری کا معاملہ کیا آج تک میرے قلب پر اس کا اثر ہے۔

یوں ہی رہی عنایت اہل نظر اگر
گذرے گی اپنی عمر ادائے سپاس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہلی سے روانگی ۱۲ ر کو صبح کی ٹرین سے دہلی اور وہاں سے خود ٹریول ایجنٹ کے ساتھ اس کی کار میں شام کو سات بجے کے قریب پالم کے ہوائی اڈے پر پہنچا تو یہاں ڈیلی گیشن کے دوسرے افراد سے بھی ملاقات ہوئی ان میں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب بھی تھے۔ جن سے دیرینہ نیازمندی کا تعلق ہے۔ آپ کو دیکھ کر بڑی خوشی اور تقویت ہوئی۔ آپ کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر ہربنس سنگھ جو پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں شعبہ مذہبیات کے صدر اور بڑے لائق شخص ہیں ان سے بھی پہلے سے ملاقات اور بعض امور میں خط و کتابت بھی تھی۔ جہاز دو گھنٹہ لیٹ تھا۔ نو بجے روانہ ہوا اور گیارہ بجے کے قریب ڈم ڈم پہنچ گیا۔ رات کلکتہ میں گذارنی تھی اس لئے ہوائی اڈہ سے روانہ ہو کر گریٹ الیسٹرن ہوٹل میں پہنچے۔ ڈنر طیارہ میں ہی کھا لیا تھا۔ ہوٹل پہنچ کر ہر شخص کو ایک ایک کمرہ الگ ملا تھا۔ میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور سو گیا۔ ۱۴ ر کی صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر آٹھ بجے کے قریب ہم کو ڈم ڈم واپس جانا تھا۔ کلکتہ میں میری زندگی کے بہترین دس برس گذرے ہیں۔ یہاں مجھ کو اخلاص و محبت کی جو متاع گرانمایہ ملی ہے وہ کہیں اور نہیں ملی۔ اس بنا پر کلکتہ اور وہاں کے احباب کے ساتھ مجھ کو ایک قسم کا جذباتی تعلق ہے۔ اب ڈم ڈم اور ہوٹل کی آمد و رفت میں شہر کی انہیں مانوس سڑکوں اور محلوں سے گذر ہوا تو ان دس برسوں کی سرگذشت حیات کا ایک ایک نقش دل و دماغ میں اجاگر ہوتا چلا گیا اور طبیعت کو بے چین کر گیا۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

اللہ اللہ! یہ عہد ماضی کی یاد بھی کیا فتنۂ قیامت ہے۔ میں نے کراچی میں دیکھا ہے جو لوگ وہاں عالیشان کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہتے اور عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہیں ان کے سامنے دہلی کے گلی کوچے جن کو عرصہ ہوا وہ خیر آباد کہہ گئے ہیں باتوں باتوں میں اگر کبھی ان کا ذکر آ گیا ہے تو بے ساختہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے ہیں اور جیسے وہ تھوڑی دیر کے لئے گم سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایرپورٹ پہنچ کر میں نے احمد سعید صاحب ملیح آبادی اور ڈاکٹر محمد زبیر صاحب صدیقی کو ٹیلی فون بھی کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر دونوں جگہ گھنٹی بجتی رہی اور صدائے برنخاست۔

ہانگ کانگ میں قیام یک شب ساڑھے نو بجے ہمارا جہاز ڈم ڈم سے اڑا اور سات بجے ہانگ کانگ پہنچا دیا۔ ہانگ کانگ میں وقت ہمارے یہاں سے دو گھنٹہ پیچھے ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں اس وقت پانچ کا عمل تھا ابھی دھوپ چھٹکی ہوئی تھی۔ ہانگ کانگ ایک جزیرہ کا نام ہے اس کا خاص شہر وکٹوریہ ہے۔ یہاں انٹرنیشنل نام کے ایک ہوٹل میں ہم لوگوں کے قیام کا پہلے سے انتظام تھا ایرپورٹ سے نکل کر سیدھے یہاں پہنچے اور ہر شخص الگ الگ کمرے میں مقیم ہوگیا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم کے ایک صاحبزادہ حسین نظامی کئی برس سے ہانگ کانگ میں مقیم ہیں اور کوئی کاروبار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب نے ان کو اطلاع کردی تھی۔ اس لئے یہ پہلے سے ہوٹل کے لانج میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ میں نے ان کو تقسیم وطن سے بہت پہلے اس وقت دیکھا تھا جب کہ خواجہ صاحب سے رسم و راہ تھی اور وہ کھانے پر کبھی کبھی مدعو کرتے تھے۔ اب تینس پینتیس برس کے بعد دیکھا تھا۔ مگر فوراً پہچان لیا اور ان کا نام لے کر میں نے السلام علیکم کہا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ وہ مجھے بھول گئے تھے ڈاکٹر صاحب نے تعارف کرایا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے کچھ دیر آرام کیا۔ پھر چوں کہ یہاں فرصت یک شب ہی تھی اس لئے ڈنر اول ہی وقت میں کھا کر باہر نکل گیا اور شہر کے مختلف حصوں کا گشت لگا کر اس کا جائزہ لیا۔ باخبر اصحاب جانتے ہیں کہ ہانگ کانگ صفائی ستھرائی اور خوبصورتی کے لئے مشہور ہے یہاں بعض قیمتی چیزیں بھی اس قدر سستی ہیں کہ یہ اسمگلنگ کا ایک بڑا مرکز ہے۔ پورا شہر دلہن کی طرح آراستہ پیراستہ تھا۔ چینی زبان کے حروف پھول پتیوں کی طرح حسین اور خوشنما نظر آتے ہیں۔ اس خطہ میں دکانوں کے بڑے بڑے بورڈ اور اشتہارات جو اِدھر اُدھر سڑک کے وسط میں سرخ اور سبز روشنی کے ساتھ آویزاں تھے تو پورا بازار تزنگ مانی و بہزاد یا گل و گلزار نظر آتا تھا۔ اکثر دکانیں تو اس وقت بند تھیں لیکن فسق و معصیت کا بازار شباب پر تھا۔ قدم قدم پر سینما اور نائٹ کلب آباد تھے۔ علاوہ ازیں جگہ جگہ مساج کے بورڈ بھی لگے ہوئے تھے۔ ایک واقف کار نے بتایا کہ عیاشی و فحاشی کی اس نوع خاص کا رواج بھی یہاں عام ہے۔ تھوڑی دیر پیدل چلا ہوںگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ان مناظر کو دیکھ کر دم گھٹنے لگا اور طبیعت پریشان ہوگئی۔ مجبور ہو کر ایک ٹیکسی کی۔ کسی ایک اجنبی ملک میں اور وہ بھی ہانگ کانگ ایسے شہر میں رات کے وقت ٹیکسی میں تن تنہا سفر کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر میں نے ترکیب یہ کی کہ ٹیکسی کو لے کر پہلے ہوٹل آیا اور ڈرائیور کو ہوٹل کے منیجر سے ملایا۔ منیجر نے ٹیکسی کا نمبر اور ڈرائیور کا نام دونوں نوٹ کر لئے اور ڈرائیور کو کچھ راستوں کے متعلق بھی ہدایات دیں۔ کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ ٹیکسی میں گھومتا رہوں گا۔ درمیان میں کوئی پارک یا کوئی خاص بلڈنگ، یا عمارت .... آئی تو ٹھہر کر اور ٹیکسی سے اتر کر اسے اچھی طرح دیکھا بھالا بھی، بہر حال اس میں شبہ نہیں شہر نہایت حسین و جمیل، صاف ستھرا اور مرصع و پرکار ہے۔ ساڑھے گیارہ کے قریب واپس آیا اور نماز پڑھ کر سو گیا۔

اساکا دوسرے دن یعنی ۱۵ کی صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم لوگ ایرپورٹ پہنچے۔ جہاز ساڑھے نو پر اڑا اور ایک بجے اساکا کے ایرپورٹ پر اتار دیا۔ یہ جاپان کا عظیم تجارتی اور صنعتی و حرفتی شہر ہے۔ روئی کے مل، لوہے اور شیشہ کے کارخانے، جہاز سازی، اسلحہ سازی اور شکر سازی کی نہایت عظیم الشان فیکٹریاں اور بودھ مذہب کے بڑے بڑے منادر جن کو یہ لوگ پگوڈا کہتے ہیں اس شہر میں موجود ہیں۔ آبادی تیس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ٹوکیو سے پانچ سو کیلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ اساکا کا ایرپورٹ اور اس کی عمارتیں بھی نہایت وسیع اور بڑی شاندار ہیں۔

کوئٹو کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ٹھیک دو بجے بس آئی اور ہم تین بجے کوئٹو پہنچ گئے۔ بیالیس بیالیس کیلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ کوئٹو جاپان کا بہت قدیم شہر ہے۔ ایک ہزار برس تک (۷۹۴ء سے لے ۱۸۶۸ء تک) ملک کا دارالحکومت رہا ہے۔ اس بنا پر مذہب ثقافت۔ فن اور آرٹ اور صنعت و حرفت کے اعتبار سے اس کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔ اب اگرچہ اس کی سیاسی حیثیت وہ باقی نہیں ہے لیکن اور دوسری حیثیتوں سے اب بھی وہی اہمیت اور امتیاز ہے۔ کوئٹو میں ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے قیام کا انتظام گرانڈ ہوٹل میں تھا جو بہت وسیع، چند منزلہ اور شاندار ہوٹل ہے کمرے، آرام دہ اور سروس قابلِ اطمینان ہے۔ ایک کمرے میں دو دو اشخاص کے قیام کا انتظام تھا۔ چنانچہ میں اور کراچی یونیورسٹی کے صدر شعبۂ فلسفہ ڈاکٹر منظور حسین ایک کمرہ نمبر ۵۲۳ میں اور ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایک اور کمرہ میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کے ساتھ ٹھہرائے گئے تھے۔

کانفرنس کا مقصد اب کل سے کانفرنس شروع ہے۔ لیکن اس کی روئداد سننے سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ اس کانفرنس کا مقصد اور اس کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے ہمارا یہ زمانہ سائنس اور ٹکنالوجی کا عہد ہے۔ ان کی غیر معمولی ترقی نے عالم آب و گل کو طلسم کدۂ ایجادات و اختراعات بنا دیا۔ اور انسان نے جیسے نوامیس فطرت پر قابو پا لیا ہے۔ علم و فن، شعر و ادب۔ صنعت و حرفت۔ تہذیب و تمدن۔ اور معیشت و معاشرت غرض کہ ہر وہ چیز جس سے انسان کی حیات مادی و جسمانی کا تعلق ہے اس میں عہد جدید نے وہ ترقی کی ہے کہ دنیا چشم کو ہر رنگ میں وا ہو جانے کی دعوت سراپا بن کر رہ گئی ہے۔ لیکن اس ترقی کا سب سے زیادہ افسوسناک اور تشویش انگیز پہلو یہ ہے کہ انسان قلب و روح کے سکون و اطمینان کی نعمت و دولت سے محروم ہو گیا۔ کیوں کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی غیر معمولی پیش رفت نے ایک طرف انسان کے ہاتھ میں وہ محشر انگیز اسلحہ بھی دے دیئے ہیں جو کروڑوں انسانوں کی آبادی کو چشم زدن میں خاک سیاہ کر دے سکتے ہیں۔ اور دوسری جانب اس نے اقوام عالم میں باہم رقیبانہ کشمکش۔ ہوسِ اقتدار و تغلب۔ خود غرضی۔ مطلب پرستی ظلم و عدوان۔ اور استحصال بالجبر کے جذبات کو برافروختہ کر کے انسان کو زندگی کے اقدار عالیہ سے بہت دور کر دیا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا مجموعی اثر یہ ہے کہ ایٹمی جنگ کا خطرہ ہر وقت انسان کے دل و دماغ پر مسلط ہے اور اس کے باعث امن و سکون ایک جنس نایاب ہو گئے ہیں۔

اس بنا پر اگر انسان کو دنیا میں رہنا ہے تو اس کی سب سے زیادہ اہم اور بڑی ضرورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امن کی متاع گمشدہ کی بازیافت ہے۔ لیکن یہ امر حد درجہ مایوس کن ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم اوّل کے بعد سے اب تک اقوامِ ملل عالم نے امن کو پالینے کی جتنی اجتماعی اور منظم کوششیں کی ہیں وہ سب ناکام رہی ہیں اور صورت حال روز بروز بد سے بد تر ہوتی چلی گئی ہے۔ چنانچہ لیگ آف نیشنز کا عبرتناک انجام دیکھنے کے بعد جن لوگوں نے یو۔این۔او۔ سے توقعات قائم کی تھیں وہ اب بڑی حسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ مشرق وسطیٰ میں، جنوب مشرقی ایشیا میں، مغربی اور جنوبی افریقہ میں اور خود امریکہ میں وہ انسانی حقوق کس بری طرح پامال ہو رہے جن کی حفاظت کو یو۔این۔او کے منشور میں امن کی اساس اور بنیاد قرار دیا تھا۔ مجلس اقوام متحدہ یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ لیکن چند رزولیوشن پاس کرنے یا جنگ بندی لائن پر اپنے مشاہدین کے بھیج دینے کے علاوہ اب اس کا کوئی کام نہیں رہا۔

اس صورت حال پر جو مفکرین عالم برابر غور کر رہے ہیں۔ ان میں ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جنھوں نے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ دنیا میں امن نہ سیاسی اور فوجی توازن کے برقرار رکھنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عدل و انصاف اور مساواتِ حقوق انسانی کا وعظ کہنے سے بلکہ اگر وہ قائم ہو سکتا ہے تو صرف مذاہب عالم کی باہم متفقہ جہد و سعی سے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ ہو یا امن بہر حال دونوں کا دار و مدار انسان کے قلب اور دماغ کے صلاح و فساد پر ہے۔ قدرت کی بخشی ہوئی ہر نعمت کی مثال ایک تلوار کی ہے۔ یہ تلوار اگر ایک شریر النفس کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو وہ اس سے دوسروں کا گلہ کاٹتا ہے اور بسا اوقات خود بھی اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کے برعکس یہ تلوار کسی ایک صالح شریف اور بہادر انسان کے قبضہ میں ہو تو اس کے ذریعہ وہ اپنی حفاظت کرتا ہے اور مظلوموں کی اعانت بھی! اس بنا پر بڑی ضرورت انسانی عہد حاضر کے دل و دماغ کو بدلنے اور ان کے اصلاح کرنے کی ہے۔ اور یہ کام سوائے مذہب کے کوئی اور طاقت نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ مذہب انسان کو ایک عقیدہ دیتا ہے اور اس کے ذریعہ زندگی کے اقدار عالیہ سے اس کے دل و دماغ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معمور کر دیتا ہے۔

ان حضرات نے اصل معاملہ پر جب اس طرح غور کیا تو انہیں دو باتیں محسوس ہوئیں :۔

(۱) ایک یہ کہ چونکہ ایٹمی جنگ کا خطرہ کسی ایک ملک یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عالمگیر ہے۔ اس بنا پر جب تک مذاہب یک جہتی اور اتفاق کے ساتھ قیام امن کی جدوجہد نہیں کریں گے حصول مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مذاہب عالم باہمی آویزش اور حریفانہ کشمکش سے آزاد ہوں۔ (۲) دوسری یہ کہ بدقسمتی سے مذہب عبادت گاہوں اور چند رسومات کی چہار دیواری میں مقید ہو کر رہ گیا ہے اور عام زندگی سے اس کا رشتہ منقطع ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو حالات پیش آ رہے ہیں مذہب کا ان میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ ان کا ایک اجنبی تماشائی بنا ہوا ہے حالانکہ مذہب عمل کا محرک بھی ہے اور اسکا نگران بھی اس بنا پر قیام امن کا مقصد حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مذہب کو فعال محرک اور موثر بنا کر زندگی سے اس کا رابطہ قائم کیا جائے۔

تاریخی پس منظر یہ خیالات و تصورات اب عام ہیں چنانچہ مشرق اور مغرب کے ارباب سیاست اور اصحاب علم و دانش عموماً یہ کہہ رہے ہیں کہ انسان کو اگر کلیتہً نیست و نابود ہونے سے بچانا ہے تو سائنس کو لامحالہ مذہب کا تعاون حاصل کرنا ہوگا لیکن عجیب بات ہے کہ جاپان اپنی صنعت و حرفت کے اعتبار سے جتنا ماڈرن ہے پرلے درجہ کا کٹر مذہبی ملک بھی ہے۔ اس بنا پر اس راہ میں سب سے پہلے عملی اقدام کرنے کا شرف اسی کو حاصل ہے اگرچہ اس میں دخل اس بات کا بھی ہے کہ جنگ عظیم دوم میں جو تباہی اور بربادی ایٹم بم کا نشانہ بننے کے باعث اس ملک کی ہوئی کسی اور کی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ خاص جاپان میں اس سلسلہ کے حسب ذیل اجتماعات ہوئے :۔

(۱) ۱۹۴۷ء میں جاپان کی مجلس مذاہب نے مئی کی پانچ اور چھ تاریخ کو ٹوکیو میں امن عالم کے مسئلہ پر غور کرنے کی غرض سے مختلف المذاہب کانفرنس منعقد کی۔ اس میں ایک ہزار کے قریب مندوبین شریک ہوئے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) ایک برس بعد یعنی ۱۹۵۴ء کے ماہ نومبر کی پہلی تاریخ کو ٹوکیو میں پھر مذہب اور امن پر ایک گول میز کانفرنس ہوئی جس میں جاپان کے ہی مختلف علاقوں کے ارباب علم و دانش نے تعداد کثیر شرکت کی۔

(۳) ۱۹۵۵ء کے ماہ اگست میں "مذہب پر عالمی کانفرنس" کے نام سے ایک عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنس جاپان کے مختلف مذاہب کی انجمنوں اور اداروں کی مشترکہ دعوت پر اور انکے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔

جاپان کی ان کوششوں اور امن کے لئے اس جد وجہد کی صدائے بازگشت اب امریکہ میں بھی گونجی۔ چنانچہ وہاں سب سے پہلے ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر ڈانا مکلین گریلے بشپ جون رائٹ (جواب کارڈنل ہیں) بوسٹن کے بشپ جون ویسلے لارڈ۔ اور نیویارک کے ایک یہودی مذہبی پیشوا۔ ربی مورس آئزن ڈراتھ۔ ان لوگوں کا خیال ہوا کہ مذہب اور امن پر ایک عالمی کانفرنس کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک بین المذاہب کمیٹی کی تشکیل کی گئی اور اس کا ایک جلسہ ۱۹۶۴ء میں نیویارک میں منعقد ہوا اور اس کے بعد اسی شہر میں ۱۹۶۵ء میں ایک غیر رسمی بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۶۶ء میں واشنگٹن میں اس موضوع پر ایک قومی بین المذاہب کانفرنس ہوئی جس میں تقریباً پانچ سو عوام و خواص نے شرکت کی اس کانفرنس میں یہ طے کیا گیا کہ ۱۹۶۸ء میں ایک عالمی کانفرنس جس میں سب مذاہب کے لوگ شریک ہوں اس کے انعقاد کے امکانات پر غور کیا جائے۔ اس تجویز کے مطابق ۱۹۶۷ء میں ریورنڈ ہرشل ہالبرٹ اور ڈاکٹر ہومر اے جیک نے ان امکانات کا جائزہ لینے کی غرض سے شمالی افریقہ اور ایشیا کا سفر کیا اور اپنی رپورٹ "جنیوا اور روم سے ٹوکیو کے ذریعہ" پیش کی۔ اس کے دوسرے برس یعنی ۱۹۶۸ء میں گاندھی صدی تقریبات کی انڈین نیشنل کمیٹی اور یو۔ ایس۔ انٹر ریلیجس کمیٹی برائے امن۔ ان دونوں نے بماہ جنوری نئی دہلی میں ایک بین الاقوامی اور بین المذاہبی سمپوزیم منعقد کیا۔ اس سمپوزیم کی روئداد "مذاہب عالم اور امن عالم" کے نام ڈاکٹر ہومر جیک نے مرتب کی تھی اور بیکن پریس نے اس کو شائع کیا تھا۔ اس سمپوزیم کی ایک سفارش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بھی تھی کہ مذہب اور امن کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس منعقد کی جائے۔ اس سال کے اسی مہینہ میں جاپانی اور امریکن بین المذاہبی مشاورتی کمیٹی برائے امن کا ایک جلسہ کوٹو میں ہوا اور اس میں بھی عالمی کانفرنس کے انعقاد کی سفارش کی گئی مشاورتی کمیٹی کے اس جلسہ کی روئداد بھی انگریزی میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں ایک عارضی مشاورتی کمیٹی کی نشست فروری کے مہینہ میں استنبول میں ہوئی یہاں جاپان کے جو ممبر حضرات موجود تھے انھوں نے مذہب اور امن پر ایک عالمی کانفرنس کوٹو میں منعقد کرنے کی دعوت دی۔ جولائی میں اس کمیٹی کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ بوسٹن (امریکہ) میں ہوا اور پھر دسمبر میں تیاری کمیٹی کا ایک جلسہ کوٹو میں ہوا اور یہ طے ہو گیا کہ مجوزہ عالمی کانفرنس جس دنیا کے سب مذاہب کے نمائندے شریک ہوں ۱۹۷۰ء میں بماہ اکتوبر کوٹو میں منعقد کی جائے۔ ڈاکٹر ہومر۔اے۔ جیک (امریکہ) جو امن کی مختلف تحریکوں میں بیس برس سے اور اس خاص تحریک میں دس برس سے حصہ لے رہے تھے کانفرنس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔

بہرحال یہ ہے تاریخی پس منظر اس کانفرنس کا اب اس کانفرنس کی روئداد سنئے۔

ہندوپاک کا واحد عربی ماہنامہ

البعث الاسلامی

جاری کردہ
اکتوبر ۱۹۵۵ء

زیر ادارت
محمد الحسنی
سعید الاعظمی

• فکر اسلامی کا نقیب • اتحاد اسلامی کا علمبردار • دعوت اسلامی کا ترجمان

عالم عربی کی مجبوریا مسموم صحافت کی کہر آلود تاریک فضا میں ایک شعاع امید
عالم اسلام کے ممتاز ترین اہل قلم کی نگارشات کا دل آویز گلدستہ

صفحات ۱۰۰ خوبصورت ٹائپ پر معیاری طباعت کے ساتھ

چندہ سالانہ ہندوستان میں ۱۰ روپے
نمونہ کے لئے ایک روپے کا ٹکٹ ارسال فرمائیں

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

© rasailojaraid.com